ڈاکٹر محمد سفیر

استاد شعبہ فارسی، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فلسفہ عشق "مولانا رومی اور سلطان باہو" کے کلام کے آئینے میں

Dr. Muhammad Safeer

Head Department of Persian, NUML, Islamabad.

Philosophy of Ishq (love) in Mevlana Rumi and Sultan Bahu's poetry

Ishq (love) is one of the fundamental issues of mysticism and Islamic Sufism without which transcendental wisdom cannot be understood. A Sufi's intensity of love towards God is such that he accepts God's will with utmost happiness and without making any complaints. He loves God without the intension of receiving any kind of reward from Him. This is the reason why love of Sufis is utterly pure and virtuous. It is without any greed or hope of getting something from God in return. In desire to achieve this transcendental love, a Sufi becomes completely selfless and accepts even the trials from Allah happily considering them as a form of mercy or a test. With this attitude, some Sufi's get way too close to God and this closeness towards God is the real essence of mysticism and Sufism. Mevlana Rumi and Sultan Bahu, both had reached the highest level of mysticism. Both of them have discussed the idea of mysticism and Sufism and have beautifully highlighted these concepts in their poetry. They have considered true spiritual love as a means to become a complete human being.

صوفیاء کے نزدیک عشق اللہ تعالی کے قرب کا جوہر اصلی ہے۔ اور عشق ہی عرفان اور تصوف کا حقیقی سرمایہ ہے کیونکہ عشق اللہ تعالیٰ کی طرف سے سالک اور عارف کے دل میں ودیعت اور امانت کے طور پر رکھا گیا ہے۔ یہ وہی عشق ہے کہ جس کی بدولت حضرت آدم نے شرف اور بزرگی کا غیر معمولی درجہ پایا اور ابلیس اپنی ساری فہم و فراست کے باوجود

مردود ٹھہرا۔ عشق انسان کو تمام موجودات عالم، حتیٰ فرشتوں سے متمایز کرتا ہے۔اور انسان کو معنویت اور انسانیت کی معراج تک پہنچاتا ہے۔ آفرینش کائنات عشق کی ہی مرہون منت ہے۔حافظ شیرین سخن عشق کے متعلق فرماتے ہیں:

«در ازل پر تو حسنت ز تجلی دم زد　　　عشق پیدا شد و آتش بہ ہمہ عالم زد»(۱)

عشق تمام صوفیاء کے نزدیک ایک اعلیٰ مقام رکھتا ہے۔ عشق انکی نظر میں دو طرح کا ہے: عشق حقیقی اور عشق مجاز- «عشق مجازی کسی خاص شخص سے انس و محبت کا اظہار ہے، صوفیاء کے نزدیک یہ عشق بھی قابل قبول ہے کیوں کہ یہ عشق ایک پل کی مانند ہے جو عشق حقیقی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ عشق حقیقی اللہ باری تعالیٰ سے عشق ہے۔اس عشق کا جذبہ صرف انسان کامل میں پیدا ہوتا ہے اور یہ جذبہ سالک کی ہستی کو جلا کر خاکستر بنا دیتا ہے»(۲)

محمد جلال الدین رومی ۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء(بمطابق ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ) کو بلخ میں پیدا ہوئے۔اور ۱۷ دسمبر ۱۲۷۳ء(بمطابق ۵ جمادی الاولی ۶۷۲ھ) کو وفات پا گئے۔ «بعض تذکرہ نویسوں نے آپ کو خداوند گار لکھا ہے اور بعض آپ کو مولانا خداوند گار لکھتے ہیں۔ آپ مولانا روم کے نام سے بھی مشہور ہیں، شاید اس خطے کے نام کی وجہ سے جہاں وہ مقیم رہے۔رومی کے ابتدائی سوانح نگاروں نے آپ کے لئے مولوی کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ آپ کے بیٹے بہاولد کی کتاب ولد نامہ میں انھیں ہر جگہ مولانا لکھا ہے. جامی اور دولت شاہ آپ کو مولانا کہتے ہیں۔ ان کے لئے مولوی کا لفظ سب سی پہلے شاہ قاسم انور نے لکھا»۔(۳) آپ کا اسم گرامی محمد ہے۔ آپ کے والد ماجد محمد حسین بن خطیبی المعروف بہاالدین ولد یا سلطان العلماء، اپنے عہد کے عظیم صوفی اور عارف تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے مراحل شیخ بہاالدین اور سید برہان الدین کی خدمت میں طے کیے۔والد کی وفات کے بعد شام کا سفر کیا اور حلب کے مشہور مدرسہ حلاویہ میں مولانا کمال الدین کی تعلیمی مجالس سے فیضیاب ہوئے۔ شمس تبریزی آپ کے پیر و مرشد تھے اسی عقیدت کی بنا پر آپ نے اپنے شعری مجموعے کا نام دیوان شمس رکھا۔ دیگر کتب میں فیہ مافیہ اور مثنوی معنوی سر فہرست ہیں۔یونیسکو نے ۲۰۰۷ء کو سال رومی قرار دیا۔ رومی نے نہ صرف سلطان باہو کو بلکہ برصغیر کے بہت سے صوفی اور غیر صوفی شعراء کو اپنا گرویدہ بنایا. علامہ اقبال بھی رومی سے بہت متاثر تھے ان کو اپنا پیر و مرشد کہتے ہیں:

«پیر رومی خاک را اکسیر کرد　　　از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد»(۴)

اگرچہ رومی اور سلطان باہو میں تقریباً چار صدیوں کا زمانی فاصلہ ہے لیکن دونوں کا پیغام ایک ہے۔ دونوں نے اپنے کلام اور بلند افکار سے نہ صرف انسانوں کی راہنمائی فرمائی بلکہ اپنے کلام کے ذریعے امن، صلح و آشتی کو فروغ دیا ۔سلطان العارفین حضرت سلطان باہو ۱۰۳۹ھ شور کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک فقیہ شخص تھے اور مغلیہ خاندان کے فرمان رواشاہ جہان کے عہد میں قلعہ شور کے قلعہ دار تھے۔ آپ نے ایک سو چالیس کے قریب کتب تصنیف کیں جن

میں سے صرف ایک کتاب پنجابی زبان میں اور باقی ۱۳۹ کتب فارسی زبان میں ہیں۔ آپ کا شمار اپنے عہد کے نامور اولیاء اور صوفیاء میں ہوتا ہے۔ آپ تصوف اور عرفان کے درجہ اتم پر فائز تھے۔ اپنے مقام اور رتبہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

«جای کہ من رسیدم امکان نہ ہیچ کس را | شہباز لامکانم آنجا کجا مگس را
عرش و قلم و کرسی کونین راہ نیابد | فرشتہ ہم نگنجد آنجانہ جاہوس را» (۵)

عشق رومی و سلطان باہو:

مولانا رومی اور سلطان باہو آسمان ولایت پر درخشاں ستاروں کی طرح چمک رہے ہیں۔ ان کے نور ولایت نے لاکھوں روحانی پروانوں کو اپنی روحانی کشش سے اپنا دیوانہ بنایا ہوا ہے وہ ضیائے حق کے حصول کی خاطر ان کی طرف کھینچے آتے ہیں۔ انسانیت جن اوصاف کاملہ کی جستجو میں سرگرداں ہے یہ ہستیاں اس تحریک کی رہبر کامل ہیں۔ دونوں کا عشق الٰہی ایک شعلہ فشاں ولولہ تھا جو معرفت خداوندی کے حصول کے لیے ایک مستقل جذبہ شوق تھا۔ وہ عشق الہیٰ اور شوق معرفت کے روحانی جذبے کو اپنے زہد و تقویٰ کے ذریعہ معاشرتی سرگرمیوں میں بروئے کار لاتے تھے۔ عشق اور ان کے مترادفات یعنی، وجدان، خودآگہی، شعور باطنی، جنون، محبت، شوق، سوز، مستی و سرمستی کا ذکر جس تواتر سے ملتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رومی اور سلطان باہو کے افکار اور تصورات میں عشق کو ہی مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

مولانا رومی انسان کے تکامل کے لیے عشق کو اساس اصلی قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ انسان جس شخص یا چیز سے عشق کرے گا، یہ فی الواقع ہستی مطلق سے ہے۔ اس عقیدے کو یوں بیان کرتے ہیں:

«انس تو با مادر و بابا کجاست | گر بجز حق مونسانت را وفاست
انس تو با دایہ و لالا چہ شد | گر کسی شائد بہ غیر حق عضد
آن شعاعی بود بر دیوار شان | جانب خورشید وا رفت آن نشان
ہر آن چیزی کہ افتد آن شعاع | تو بر آن ہم عاشق آیی ای شجاع
عشق تو بر ہر چہ آن موجود بود | آن ز وصف حق زر اندود بود» (۶)

ان اشعار میں مولانا فرماتے ہیں کہ تم جس سے عشق کرتے ہو وہ در اصل پر تو الہی ہے، اس رو سے یہ عشق مجازی بھی انسان کو حقیقت کی طرف گامزن کرتا ہے۔ ان کے نزدیک دنیاوی حسن بھی ملکوتی حسن کا پر تو ہے۔ پر تو جب غائب ہو جاتا ہے تو ہماری نظریں اس پر تو کی طرف اٹھ جاتی ہیں جس کا وہ پر تو تھا۔ رومی سوال کرتے ہیں کہ عشق کیا ہے؟ پھر خود ہی عشق کی شرح بیان کرتے ہیں:

«پس چہ باشد عشق دریای عدم | در شکستہ عقل را آنجا قدم
بندگی و سلطنت معلوم شد | زین دو پردہ عاشقی مکتوب شد

کاشکی ہستی زبانی داشتی　　　تاز ہستان پردہ ہابر داشتی »[۷]

رومی عشق سے مکالمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں، اے عشق بتا تو کون ہے؟ عشق نے جواب دیا میں حیات جاوداں ہوں۔ پھر سوال کیا تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں رہتا ہے۔ عشق نے جواب دیا: میں سوز دل اور دیدہ تر میں رہتا ہوں:

« گفتم عشق راشبی راست بگو تو کیستی؟　　　گفت: حیات باقیم عمر خوش مکررم

گفتمش ای برون زجاخانہ تو کجاست؟ گفت　　　ہمراہ آتش دلم، پہلوی دیدہ ترم »[۸]

سلطان باہو عشق کے متعلق فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو مار دینے کا نام عشق ہے۔ عشق وہ چیز ہے کہ جس کے زخم سے دل ہر وقت سوزش میں مبتلا رہتا ہے۔ ان کے نزدیک جب تک عشق کی تلوار سے سر نہ کٹوایا جائے دوست کو پانا ممکن نہیں۔

« عشق دانی چیست؟ کشتن نفس خویش　　　روز وشب سوزش بود دل راز ریش »[۹]

مولانا کہتے ہیں کہ نبر د عاشقی میں ہر کوئی نہیں جا سکتا اور بہت سے لوگ عشق کی بھٹی میں جلتے ہیں اور کچھ راستے سے ہی بھاگ جاتے ہیں کیونکہ عشق کا راستہ بہت کٹھن اور صبر آزما ہے۔ کہتے ہیں جب عشق کی آگ شعلہ ور ہوتی ہے تو سوائے معشوق کے سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے:

« عشق آن شعلہ است کو چون بر فروخت　　　ھر چہ جز معشوق، باقی جملہ سوخت »[۱۰]

باہو اسی مفہوم کو یوں فرماتے ہیں:

«نہایت نیست راہ عشق رایار　　　تو یک روباش دست از کار بر داشت

فنا کن خویش رادر راہ جانان　　　چہ کار آید ترا درم و دینار

دریغ از وی چہ داری پارہ زررا　　　تو خاصہ جان خود بایار بسپار »[۱۱]

عشق مولانا کے نزدیک شیریں اور راحت آفرین نہیں ہے وہ حافظ شیرازی کی طرح عشق کی مشکلات سے غافل نہیں ہیں بلکہ آغاز عشق کو ہی سرکش اور خونی قرار دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ لوگوں جس کو عشق کہتے ہیں در حقیقت وہ بلائے جان ہے۔

حافظ شیرازی:

« الا یا ایھا الساقی ادر کاسا و ناولھا　　　کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلھا »[۱۲]

رومی فرماتے ہیں:

« عشق از اول چرا خونی بود　　　تا گریزد ہر آنک بیرونی بود[۱۳]

بہ پیش خلق نامش عشق و پیش من بلای جان　　　بلا و محنت شیرین کہ جز باوی نیاسایی »[۱۴]

رومی فرماتے ہیں عشق کی منزل آسان نہیں ہے۔ عشق ایک تنور اور بھٹی کی مانند ہے جس کی آگ میں عاشق کو اپنی انا، غرور اور تکبر کو جلا کر اپنے نفس کو مادیت پرستی سے پاک کرنا پڑتا ہے کیوں کہ عشق کو پانے کے لیے اس اگ کے دریا کو عبور کرنا شرط اول ہے:

«این عشق ہمی گوید کانکس کہ مرا جوید　　　شرطیست کہ ہم چون زر در کورہ قدم دارد» (۱۵)

نظام دنیا عشق کی ہی رہین منت ہے۔ امواج عشق ہی گردش روزگار کو جنم دیتی ہے۔ عشق نہ ہوتا تو بھلا یہ جہاں کہاں ہوتا۔ عشق نہ ہوتا تو یہ جہاں بے جاں اور مردہ ہوتا:

«دور گردون ہاز موج عشق دان　　　گر نبودی عشق بفسردی جہاں» (۱۶)

رومی اس عشق کا خیر مقدم کرتے ہیں کہ جس کی بدولت جسم خاکی نے افلاک کی طرف پرواز کی جس نے آدم کو وہ رتبہ اور مقام عطا کیا کہ فرشتے بھی اس مقام اور مرتبے کو نہ پا سکے۔ یہ وہی عشق ہے جو ہماری تمام تر امراض کا شافی علاج ہے:

«شاد باش اے عشق خوش سودای ما　　　اے طبیب جملہ علت ہای ما
اے دوای نخوت و ناموس ما　　　اے تو افلاطون و جالینوس ما
جسم خاک از عشق بر افلاک شد　　　کوہ در رقص آمد و چالاک شد» (۱۷)

سلطان العارفین سلطان باہو رسالہ وحی میں عشق کی توضیح میں لکھتے ہیں:

> حضرت عشق کہ جس کی ذات حقیقت ھاھویت (ذات حق تعالی) کی آنکھوں کے نور کا سرچشمہ ہے دونوں جھان سے اوپر بارگاہ کبریا مین اپنی بادشاہی کا تخت سجائے بیٹھا ہے۔ اس ذات پاک کی ماہیت کو سمجھنے کے لیے انتہائی سوچ بچار کرتے کرتے عقل کے ہزاروں ہزاروں بے شمار قافلے سنگسار ہو گئے لیکن سمجھ نہ سکی اور اللہ تعالی کی ذات پاک ہے۔ البتہ اپنی قدرت ہائے کاملہ سے اس نے ہزارہا قسم کی اجسام عناصر خاکی کو اپنے جمال و جلال کا آئینہ بنا دیا جس مین وہ اپنی رخ زیبا کے جلوے دیکھ رہا ہے اور خود ہے منظور ہے۔ خود ہی عشق ہے، خود ہی عاشق ہے اور خود ہی معشوق ہے۔ (۱۸)

سلطان باہو عشق کے منصب و مرتبے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جیسے مکھی شہباز کے مقام پر نہیں پہنچ سکتی اسی طرح زاہد عشق کے بغیر جتنی بھی ریاضت کرے صاحب راز نہیں بن سکتا:

«ہر منتہٰی آغاز من　　　کس نیست محرم راز من
مگسی کجا شہباز من

در عشق او پروانه ام	از جان خود بیگانه ام
زاهد کجا بس دور تر	از وصل عاشق بی خبر
این مدعی اندر راه من	
در وحدتش پروانه ام	از جان خود بیگانه ام
ای عالمان علمش بخر	این جاہلان گاو خر
جز عشق حق دیگر مبر	
در عشق او پروانه ام	از جان خود بیگانه ام
باہو بہ یاہو یار شد	چوں بخت من بیدار شد
با ہمنشین دلدار شد	
در عشق او پروانه ام	از جان خود بیگانه ام »(۱۹)

فرماتے ہیں عاشق صاحب نظر ہوتا ہے، وہ ہر وقت مشرف دیدار رہتا ہے جس کی وجہ سے دنیا اور عقبیٰ اس کی نگاہ میں بے وقعت وخوار ہوتے ہیں۔ وہ ہمیشہ بیدار رہتا ہے اور اپنی جان فدا کر کے اپنے اختیارات سے دستبردار ہو جاتا ہے، سب سے بڑھ کر یہ کہ نفسانی ہوا و ہوس سے خلاصی ایک عاشق کے لیے بہت بڑی دولت ہے:

« نفس را بگذاری طالبا تا تو بینی خدا	شد حجابت نفس دیگر شد ہوا
نفس را بہ گذاشتن عمل از کدام	غرق فی التوحید شو ہر صبح و شام »(۲۰)

ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں:

« خون بہا شد مرا دیدن خدا	دیت خون یافتم اللہ لقا
بی چشم بینم سخن شد بی زبان	عاشقان را حال این است در جہان
گر تو خواہی عشق حق بی سر بیا	تا بیابی معرفت وحدت لقا
سخن بہ سخن است بہ حق ہمکلام	معرفت توحید این است شد تمام
زین مراتب عاشقان مذکور شد	ابتدا ہم نور آخر نور شد »(۲۱)

سلطان باہو کے نزدیک انسان کو کچھ بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں جیسے دنیا کی طلب جس کا طبیب شیطان ہے، جو اسے منافقت کی دوا پلا کر پریشان رکھتا ہے۔ مریض عقبیٰ کا طبیب تقویٰ ہے جو نفس کو قتل کرنے کا فتویٰ دیتا ہے۔ لیکن ان کی نظر میں مریض عشق لا دوا اور لا علاج ہے، دیدار اور لقا کے سوا اس کی کوئی دوا نہیں، اور جو آدمی عشق طلب کرتا ہے، اسے سر قربان کرنا پڑتا ہے:

« بہ قربِ خویش راہم دہ دلِ دیوانہ مارا — مکن بی دل بہ مہجوری تو غمخواران خودہارا
طبیبان جملہ ای ہستند دوا ہر گز ن م ی
دانند — نظر رحمت مداوا کن بہ بیماران خودہارا
بسی گریم ز شوق تو بسی نالم ز دردِ تو — نظر فضلی فراوان کن بہ مشتاقان خودہارا »[۲۲]

باہو مردِ آزادہ کو تاکید کرتے ہیں کہ میدان کارزارِ عشق میں بے باک کود جانا چاہیے تمہیں اپنا سر ہی کیوں نہ کٹوانا پڑے:

« ای مرد درین میدان بیا — گر سر رود رفتن بدہ
با عشق در میدان بیا — گر سر رود رفتن بدہ
در کنج باجانان نشین — گر عاقلی گم شود درین
عشاق را مردن ہمین — گر سر رود رفتن بدہ
امروز آن روزی مگر — گر جان برخیز دز تن
ہر گز نتابم رود گر — گر سر رود رفتن بدہ »[۲۳]

ایک اور جگہ فرماتے ہے جب روح کی طرف سے دل پر ذکر سر وارد ہوتا ہے تو عارفانِ الٰہی پر رازِ ربانی متجلی ہو جاتا ہے۔ جس کے ذہن پر ذکر روح کا غلبہ ہو جاتا ہے اس کے دل میں سوزش داغ محبت پیدا ہو جاتی ہے، جو اسے خواب غفلت سے بیدار رکھتی ہے، فرماتے الٰہی مجھے سوز عشق عطا فرما جو تیرا عمدہ انعام ہے، اگر کوئی اس سے ڈرتا ہے تو یہ مجھے عطا فرمادے۔

« ذکر سری روح بر آید در قلب — عارفاں را کشف کرد در ذات رب
ہر کرا شد ذکر روحی در دماغ — خواب غفلت رفت سوزش در دداغ
یاالٰہی سوز دہ این سوز بہ — گر کسی از سوز ترسد من بدہ »[۲۴]

سلطان باہو فرماتے ہیں عشق ہی منزلِ مقصود تک پہنچاتا ہے۔ عشق سلامت ہے تو ایمان سلامت ہے:

« ایمان سلامت ہر کوئی منگے، عشق سلامت کوئی ہو — منگن ایمان شرماون عشقوں، دل نوں غیرت ہوئی ہو
جس منزل نوں عشق پہنچاوے، ایمان نوں خبر نہ کوئی
ہو — میرا عشق سلامت رکھیں باہو، ایمانوں دیاں دہروئی ہو (۲۵)

مولانا رومی نصیحت کرتے ہیں کہ: اے بیٹے ہر بندش کو توڑ کر آزاد ہو جا، کب تک تو سیم و زر کی بندشوں میں جکڑا رہے گا؟ جس نے اپنے عشق الٰہی میں اپنا گریباں چاک کر لیا وہ ہر عیب و حرص سے پاک ہو گیا، جس نے عشق الٰہی میں اپنی زبان بند کر لی وہ خواہ کتنا ہی واویلا کرے بے زبان ہی رہتا ہے:

« بند بگسل باش آزاد ای پسر چند باشی بند سیم وزر

ہر کہ راجامہ ز عاشقی چاک شد اوز حرص وعیب جملہ پاک شد

ہر کہ او از ہم زبانی شد جدا بی زبان شد گرچہ دارد صد نوا » (۲۶)

عشق اپنی غم والم کی خود ہی دوا ہے۔ عشق میں انسان کی زندگی یکسر تبدیل ہو جاتی ہے الفاظ اپنے معنی بدل دیتے ہیں۔ منصور عشق میں فنا ہو کر زندہ جاوید ہو گیا اور فرعون اپنی قدرت کو دوام دینے کا خواہشمند غرق بہ دریا ہو گیا:

« گفت فرعونی انا الحق، گشت پست گفت منصوری انا الحق وبرست » (۲۷)

عشق وہ طاقت ہے جب غالب آتا ہے تو تمام دلائل اور بحث و مناظرہ باطل ہو جاتے ہیں۔ عشق نطق کو گنگ کر دیتا ہے پھر کسی بحث میں پڑنے کا حوصلہ نہیں ہوتا مولانا فرماتے ہیں:

« عشق بر د بحث را ای جان وبس کوز گفت و گو شود فریاد رس

حیرتی آید ز عشق آن نطق را زہرہ نبود کہ کند او ماجرا » (۲۸)

سلطان باہو اپنے پنجابی کلام میں اسی مفہوم کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

« جنہاں عشق حقیقی پایا موہوں نہ کجھ الاون ہو ذکر فکر وچ رہن ہمیشاں دم نو قید لگاون ہو

نفسی قلبی روحی سری خفی اخفی ذکر کماون ہو میں قربان تنہاں توں باہو جیہڑے اکس نگاہ جواون ہو »

(۲۹)

مولانا رومی کے نزدیک عشق، بہت لا ابالی اور لاپرواہ ہے جو عقل اور خرد کے برعکس اپنے نفع اور نقصان کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ ہر آزمائش اور امتحان میں بے خوف و خطر اپنے آپ کو پیش کر دیتا ہے:

« عقل راہ ناامیدی کی د عشق باشد آن طرف بر سر دود

لا ابالی عشق باشد نی خرد عقل آن جوید کز آن سودی برد » (۳۰)

مولانا فرماتے ہیں عشق وہ قوت اور طاقت ہے جو انسان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتا ہے اور زندگی کی مشکلات، دکھ، درد اور تلخیوں کو آسان اور شیریں بنا دیتا ہے:

« از محبت تلخ ہا شیرین شود از محبت مس ہا زرین شود

از محبت درد ہا صافی شود از محبت درد ہا شافی شود » (۳۱)

الغرض مولانا اور سلطان باہو کے نزدیک عشق ہی حاصل زندگی ہے۔ عشق کی توضیح خود عشق ہی ہے۔ عاشق کے لیے عشق ہر شے سے بالا و برتر ہے۔ عشق ہی انسان کو غلامی، خود پرستی، مادیت پرستی، نخوت اور پستی سے نجات دلاتا ہے۔ اور عشق ہی کی بدولت انسان پر اسرار کا ایسا در کھل جاتا ہے کہ ظاہر بین آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی۔ خود پرست عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ عشق دلیل اور تجزیئے سے گریز پا ہے، اسے سمجھنے کا بہترین ذریعہ تجربہ ہی ہو سکتا ہے۔ یہ

اپنے محبوب کے لیے اپنی جان بھی قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور بے پراوہ میدان کارزار میں کود پڑتا ہے۔ عشق ہی آفرینش اور تخلیق کائنات تک رموز فطرت کا آشنا اور کارزار حیات میں انسان کا راہنما و کارکشا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ حافظ شیرازی، دیوان حافظ، انتشار کتاب آبان، غزل ۱۵۲، تہران، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۶۔

۲۔ سلطان باہو، عقل بیدار،، ترجمہ، امیر خان نیازی، العارفین پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۱۶ء، ص، ۱۲۔

۳۔ڈاکٹر افضل اقبال، مترجم، بشیر محمود اختر، ناشر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۵۰۔

۴۔ عبدالباقی گولپناری، مولانا جلال الدین، زندگی نامہ و آثار، علوم انسانی و مطالعات فرہنگی، تہران، ۱۳۷۵ھ ش ص ۲۷۵۔

۵۔ محمد اقبال، اسرار خودی، کلیات اشعار فارسی اقبال، تصحیح و مقدمہ، احمد سروش، انتشار سنائی، تہران، ۱۳۸۹ش، ص ۹۴۔

۶۔ جلال الدین محمد رومی، مثنوی معنوی، دفتر ۳، بہ کوشش، پرویز عباس داکانی، کتابخانہ ملی، تہران، ۱۳۸۵ھ ش ص ۴۳۲۔

۷۔ ایضا، ص، ۵۹۶۔

۸۔ ایضا، کلیات شمس تبریزی، بدیع الزمان فروزانفر، انتشار امیر کبیر، تہران، ۱۳۸۵ش، ص ۵۴۳۔

۹۔ سلطان باہو، محک الفقر، ترجمہ، امیر خان نیازی، العارفین پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۰۸ء، ص، ۲۸۵۔

۱۰۔ جلال الدین محمد رومی، مثنوی معنوی، دفتر ۵، ص ۹۷۷۔

۱۱۔ سلطان باہو، دیوان باہو، بہ اہتمام، سلطان راشد القادری، ناشاد پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۹۱۔

۱۲۔ حافظ شیرازی، دیوان حافظ، انتشار کتاب آبان، غزل ۱، تہران، ۲۰۱۰ء.

۱۳۔ جلال الدین محمد رومی، مثنوی معنوی، دفتر ۳، ص ۵۹۸۔

۱۴۔ ایضا، کلیات شمس تبریزی، بدیع الزمان فروزانفر، انتشار امیر کبیر، تہران، ۱۵۸۳ش، ص ۹۲۸۔

۱۵۔ ایضا، ص ۲۶۰۔

۱۶۔ ایضا، مثنوی معنوی، دفتر ۵، ص ۹۱۶۔

۱۷۔ ایضا، دفتر ۱، ص ۳۳۔

۱۸۔ سلطان باہو، رسالہ وحی شریف، ترجمہ، امیر خان نیازی، العارفین پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰

۱۹۔ ایضا، عین الفقر، ترجمہ، امیر خان نیازی، العارفین پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۳ء، ص ۲۸۰۔

۲۰۔ ایضا، نورالہدی، ترجمہ، امیر خان نیازی، العارفین پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص، ۳۳۰۔

۲۱۔ ایضا، ص ۳۳۰۔

۲۲۔ ایضا، دیوان باہو، ص ۱۲۔

۲۳۔ ایضا

۲۴۔ ایضا، محک الفقر، ص ۱۵۷۔

۲۵۔ ایضا، ابیات باہو، العارفین پبلیکیشنز، ص، ۱۵، لاہور ۲۰۰۳۔

۲۶۔ جلال الدین محمد رومی، مثنوی معنوی، دفتر ا، ص ۳۳۔

۲۷۔ ایضا، دفتر ۵، ص ۸۳۷۔

۲۸۔ ایضا، ص ۸۸۹۔

۲۹۔ سلطان باہو، ابیات باہو، ص ۳۲۔

۳۰۔ جلال الدین محمد مولوی رومی، مثنوی معنوی، ص ۱۰۱۵۔

۳۱۔ جلال الدین محمد رومی، مثنوی معنوی، بخش ۱۳، ص ۳۱۷۔